© rasailojaraid.com

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

محمد سرور

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی ضخیم فارسی کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس زمانے میں بدعتِ تشیع[1] آشکار ہو گئی ہے۔ عوام کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے اثبات میں شک کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ توفیق الٰہی کی روشنی نے اس بندۂ ضعیف

---

[1] ہندوستان میں پہلے تورانی سنّی، پھر ایرانی شیعہ اور آخر میں متشدد سُنّی روہیلوں کی شکل میں داخل ہوئے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن و تشیع کے سلسلے میں عجیب افراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی شاہ صاحب نے اس سلسلے میں بھی بڑا کام کیا۔ بڑی محنت سے ہزار ہا ہزار صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفاء کے واقعی حالات "ازالۃ الخفا" میں ایسے دل نشین طریقے سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، تو اسی کے ساتھ غالی سنیوں کی شدت و تیزی میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مناقب کیوں بیان کئے یا شاہ ولی اللہؒ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہائے حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا ان پر بھی شیعیت کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب کے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی جس سے بہت سے فتنوں کا سدِ باب ہو گیا۔

(ماہنامہ الفرقان۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دل میں ایک علم کو واضح و مبسوط کیا ہے، جس سے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے تمام خلافت کا اثبات اصولِ دین میں سے ہے۔ جب تک کہ اس اصول کو مضبوطی سے نہ پکڑا جائے مسائل شریعت میں سے کوئی مسئلہ مضبوط نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں، مجمل ہیں، سلف صالح کی تفسیر کے بدون ان کا حل نہیں ہو سکتا اور اکثر احادیث خبر واحد ہیں کہ وضاحت کی محتاج ہیں۔ اور سلف کی ایک جماعت سے ان احادیث کی روایت اور ان سے مجتہدین کے استنباط کے بغیر یہ قابلِ تمسک نہیں ہو سکتیں اور نہ ان بزرگوں کی کوشش کے بغیر متعارض حدیثوں میں تطبیق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تمام علوم دینیہ جیسے علم قرأت وتفسیر وعقائد وعلم سلوک ہیں، ان بزرگوں کے اقوال کے بغیر پایۂ اد نہیں ہو سکتے۔ ان امور میں سلف کے لئے قابلِ اتباع تو خلفائے راشدین ہی تھے اور سلف نے انہی کا دامن پکڑا تھا۔ جمع قرآن اور قرأتِ شاذ سے قرأتِ متواتر کی معرفت خلفاء ہی کی کوششوں پر مبنی ہے۔ اور قضایا، حدود، احکام وغیرہ انہی کی تحقیق پر مترتب ہوئے۔ لہٰذا جو شخص اس اصل کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ درحقیقت تمام دینی علوم کو مٹانا چاہتا ہے"

غرض شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ کتاب گو اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک لحاظ سے فرقہ وارانہ نزاعی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے پیش نظر بقول ان کے "بدعت تشیع" ہی کا رد ہے، لیکن اس ضمن میں انہوں نے شریعت حقہ کے اصول ومبادی کے متعلق بھی بعض ایسے امور بیان فرمائے ہیں، جن کی اپنی ایک مستقل حیثیت ہے اور فکر ولی اللہی کی تعیین میں ان سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ آئندہ صفحات میں شاہ صاحب کے ان ارشادات کو فرقہ وارانہ نزاع سے قطع نظر کرتے ہوئے سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام خلق اللہ کے لئے مبعوث ہوئے تو آپ نے ان کے ساتھ معاملات کئے اور ہر معاملے کے لئے اپنے نائب مقرر کئے اور ہر معاملے کا خاص اہتمام فرمایا۔ جب ہم ان معاملات پر غور کرتے ہیں اور جزئیات سے کلیات کی طرف اور کلیات سے کلی واحد کی طرف، جو سب کو شامل ہیں، منتقل ہوتے ہیں، تو ان سب کی جنس عالی اقامتِ دین ہے، جو سب کلیات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس کے تحت دوسری اجناس ہیں۔ ان اجناس میں سے ایک تو علوم دین کا احیاء ہے، جیسے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دوسرے ایسے ہی ارکان اسلام کا قیام ہے، کیونکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ، عیدین اور نماز پنج وقتہ کا اہتمام فرماتے ہر مقام پر امام مقرر کرتے، زکوٰۃ وصول فرماتے اور اسے صرف کرتے اور ان کاموں کے لئے عامل مقرر فرماتے تھے۔ آپ کا جہاد کرنا، سردار مقرر کرنا، لشکر بھیجنا تنازعات کا فیصلہ کرنا، بلاد اسلام میں قاضیوں کو مقرر کرنا، اقامت حدود، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایسے امور ہیں، جو محتاج بیان نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس دین کے ساتھ مبعوث ہوئے، وہ شامل تھا تعلیم کتاب وسنت وتذکیر وموعظت کے ساتھ ساتھ ان امور پر بھی جو ایک مملکت کے قیام کے لئے ضروری ہیں۔ یعنی آج کی مروجہ اصطلاح میں دین اسلام "دین" بھی تھا اور "دولت" بھی۔

خلافت کی شروط بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ خلیفہ مجتہد ہو۔ اس کے بعد مجتہد ہونے کی کیا شرطیں ہیں، ان کا بیان یوں فرماتے ہیں۔

دراصل مجتہد وہ شخص ہے جو ایک بڑا حصہ احکام فقہ کا جانتا ہو، مع ان کے دلائل تفصیلیہ یعنی کتاب وسنت واجماع وقیاس کے، اور ہر حکم کو اس کی علت کے ساتھ مرتبط جانتا ہو اور اس علت کا ظن قوی رکھتا ہو۔ اب اس زمانے میں مجتہد وہی شخص ہو سکتا ہے، جو ان پانچ علموں کا جامع ہو۔ قرآن کی قرأت وتفسیر کا علم، سنت کا اس کی اسناد کے ساتھ علم اور اس میں صحیح وضعیف کی معرفت، مسائل کے متعلق اقوال سلف کا علم تاکہ اجماع سے تجاوز نہ ہو اور دو قولوں کے اختلاف میں تیسرا قول اختیار نہ کرے۔ علم عربیت یعنی لغت نحو وغیرہ کا علم۔ استنباط کے طریقوں اور دو مختلف چیزوں میں تطبیق کا علم۔ ان پانچ علموں کے حصول کے بعد وہ جزئی مسائل میں غور وفکر کرے، اور ہر حکم جس دلیل کے ساتھ وہ مرتبط ہے، اسے جانے۔ اور لازم نہیں ہے کہ وہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی طرح مجتہد مستقل ہو۔"

یہ تو شاہ صاحب کے الفاظ میں "اب اس زمانے" کا ذکر ہے۔ "صحابہ کرامؓ کے زمانے میں" ان کے نزدیک مجتہد بننے کے لئے مذکورہ علوم میں سے اکثر علوم کی ضرورت نہ تھی۔ صرف علم قرآن وحفظ حدیث کافی تھا۔ عربی خود ان کی زبان تھی صرف ونحو وغیرہ حاصل کئے بغیر عربی کلام کو سمجھ لیتے تھے اور اس وقت تک ایک دوسرے سے متعارض حدیثیں بھی ظہور پذیر نہیں ہوئی تھیں نہ مسائل میں سلف کا اختلاف تھا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں قرآن مجید کے اس حکم "لا اکراہ فی الدین" پر کس طرح عمل ہوتا تھا۔ شاہ صاحب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عمرؓ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کے کام کافروں کو سپرد کئے جائیں، لیکن اس کے باوجود وہ کسی غیر مسلم کو اس پر مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس ضمن میں وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب "عوارف المعارف" سے مندرجہ ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔

"وثیق رومی (نصرانی) کا بیان ہے کہ میں (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کا غلام تھا۔ وہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اسلام قبول کرلے کیونکہ اگر تو مسلمان ہو جائے گا تو میں تجھ سے مسلمانوں کے کام میں مدد لیا کروں گا۔ اس لئے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ میں مسلمانوں کے کام میں اس شخص سے مدد لوں جو مسلمانوں میں سے نہ ہو۔ وثیق رومی کہتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے انکار کردیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا دین میں زبردستی نہیں ہے۔ پھر جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے آزاد کردیا اور فرمایا کہ جہاں تیرا جی چاہے، چلا جا"

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس منبع فیوض و برکات تھی، اور اس سے ہر صحابی نے اپنی اپنی جبلی استعداد کے مطابق استفادہ کیا۔ اس بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے اپنے اپنے نصیب کے مطابق ان اوصاف سے استفادہ کیا اور یہ آپؐ کی بعض بعض باتوں میں منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ مثال کے طور پر قرأت و فقہ میں عبداللہ بن مسعود، قضا میں معاذ بن جبل اور علم فرائض میں زید بن ثابت۔ اور ان میں سے جو قریش تھے اور حکومت و ریاست کا بار اٹھانے کی اہلیت رکھتے تھے، وہ خلافت مطلقہ کے مستحق ہوئے۔ پھر یہ مستحقین خلافت بارگاہ عزت میں منتظر کھڑے تھے کہ دیکھیں ان میں سے کس کو فضل الٰہی بالفعل خلافت مطلقہ کا مرتبہ دیتا ہے۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم[۵]

---

۵ حضرت ابوبکرؓ جس طرح خلیفہ منتخب ہوئے، مولانا سندھیؒ اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔"...... اس وقت مسلمانوں کی ایک مرکزی جماعت تھی، جس کے ہاتھ میں (بقیہ حاشیہ صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعظ و افتاء اور پیش آمدہ مسائل کے متعلق فیصلے کرنے میں صحابہ کرام کا کیا معمول تھا، اس کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

" عہد سابق میں وعظ اور فتویٰ خلیفہ کی رائے پر موقوف تھا۔ اور خلیفہ کے حکم کے بغیر لوگ نہ وعظ کہتے تھے اور نہ فتویٰ دیتے تھے۔ بعد میں خلیفہ کی رائے کے بغیر وہ وعظ کہنے لگے اور فتویٰ دینے لگے۔ لیکن اس وقت فتویٰ دیتے وقت جماعت صالحین کا مشورہ ہوتا تھا۔ ابو داؤد نے عوف بن مالک اشجعی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعظ یا تو امیر کہتا ہے یا اس کا مقرر کیا ہوا یا وہ جو متکبر اور ریا کار ہے۔ دارمی نے ابن عوف سے اور انہوں نے محمدؐ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعود سے فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم فتوے دیتے ہو حالانکہ تم امیر نہیں ہو۔ اس کی شقت کا ہار اس پر رہنے دو، جو اس کی راحت کا مالک ہے دارمی نے میب بن رافع سے روایت کی ہے کہ صحابہ کو جب کوئی واقعہ پیش آتا اور اس کے

(بقیہ حاشیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین چننے کا اختیار تھا۔ اس جماعت کا قرعہ انتخاب حضرت ابوبکرؓ پر پڑا۔ اس لئے اس کا فیصلہ قبول کرنا پڑا۔ اگر یہ مرکزی جماعت حضرت علی، حضرت عثمان یا حضرت عمر کو ترجیح دیتی تو مسلمانوں کے لئے اس کے اس فیصلے کو ماننا بھی اسی طرح ضروری ہوتا۔۔ بات صرف اتنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے تعلیم اسلام کو چلانے کے لئے جو جماعت چھوڑی تھی اس کا فیصلہ تھا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ بنیں۔ یہ جماعت مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کی تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" صادق آتا تھا۔ ظاہر ہے صحابہ کی اس جماعت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور باعث خوشنودی تھا۔ اس لئے کسی کو اس کے فیصلے کے متعلق چون وچرا کرنے کی گنجائش نہیں۔

اسلام کے دور اول میں مرکزی کمیٹی کے اس طرح کے وجود کا تعین بظاہر میرے اپنے غور و فکر کا نتیجہ ہے، لیکن اگر "قرۃ العینین" اور "ازالۃ الخفا" کو غور سے پڑھا جائے، تو شاہ ولی اللہ کا رجحان فکر بھی اسی طرف مائل نظر آئے گا۔

(شاہ ولی اللہ کا فلسفہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ ہوتی، تو وہ جمع ہو کر اس کے بارے میں اجماع کرتے پس حق وہی ہے، جو انہوں نے فیصلہ کیا۔ پس حق وہی ہے جو انہوں نے فیصلہ کیا۔

یہ بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں

"حضرت عثمان کے زمانے تک مسائل فقہ میں اختلاف واقع نہیں ہوا تھا۔ اور جب کبھی اختلاف ہوتا تو لوگ خلیفہ کی طرف رجوع کرتے اور خلیفہ مشورے کے بعد ایک بات اختیار کر لیتا، اور اسی بات پر اجماع ہو جاتا تھا۔ فتنے[1] کے بعد ہر عالم بذات خود فتویٰ دینے لگا اور اسی زمانے میں اختلاف واقع ہوا۔ باقی شہرستانی نے کتاب "ملل و نحل" میں یہ جو کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی اختلاف پیدا ہو گیا[2] تو یہ غلط ہے۔ اختلاف وہ نہیں کہ مشورے کے دوران مختلف باتیں کہی جائیں اور آخر میں ایک بات واضح ہو جائے اور اسی پر سب کا اجماع ہو جائے بلکہ اختلاف یہ ہوتا ہے کہ ایک معاملے کے متعلق دو مستقل رائیں ہوں اور ہر شخص دوسرے کو اپنی طرف کھینچے اور مخالف کی رائے ختم کرنا چاہے۔"

ہمارے ہاں ہر نئی چیز کو "بدعت" کا نام دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً "بدعت" کا تعلق صرف دین سے ہے، لیکن بالعموم دین کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ اکثر ہر نئی چیز "بدعت" کے زمرے میں آ جاتی ہے۔ شاہ صاحب ایک جگہ اس پر بھی بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اوضاع و اطوار کے دوسری اوضاع و اطوار کی صورت میں متغیر ہونے کی کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم کا اپنا جداگانہ حکم ہے۔ بعض تغیر اس قبیل کے ہیں کہ ان میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ مثلاً قحط پڑ جانا اور زلزلوں کا آنا ...... اور بعض تغیر انسان کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ ان کی ایک قسم کا ذکر شاہ صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

---

[1] فتنے کا آغاز حضرت عثمان کی شہادت سے ہوتا ہے۔ جب کہ خلافت راشدہ کی مرکزیت درہم برہم ہو گئی۔ (مدیر)

[2] ممکن ہے شہرستانی کا اشارہ بیعتِ حضرت ابوبکرؓ کی طرف ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لوگ کسی امر مستحب کو سنّت موکدہ کی طرح لازم کرلیں یا اچھے کاموں میں سے کسی ایک کی صورت اور ہیئت کا التزام کرلیں اور اسے دانتوں سے خوب مضبوط پکڑ لیں۔ اس قسم کو بدعت حسنہ کہتے ہیں، جیسے کہ وظائف اور اوراد کی ایجاد ہے۔ اس قسم کے امور پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔ البتہ اس کے متعلق تاکید و وجوب کا اعتقاد باطل ہے۔ اور ثواب صرف اسی اصل کا ملے گا، جو شرع میں معروف و مسلّم ہے۔ ایک اچھے کام کی وہ ہیئت و صورت مباح ہے نہ اس کی تعریف ہوسکتی ہے اور نہ مذمت۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ اس طرح ایک ہیئت و صورت التزام کر لینے سے اس پر بعض مفاسد مترتب ہوں اور بعد کے زمانے میں اس سب کو سنت سمجھ لیا جائے۔ اور اس طرح شریعت حقہ کی تحریف لازم ہو جائے (یعنی جو چیز شریعت میں نہ تھی، وہ داخل شریعت ہو جائے) لیکن وہ شخص جس نے امر مباح کو لازم کر لیا ہے، اور وہ بعد میں مترتب ہونے والے مفاسد کا شعور نہ رکھتا ہو، وہ خطا کار نہیں ہے۔

اوضاع و اطوار کی تغییر کی تیسری قسم یہ ہے کہ ہر شخص اس امر مباح کو جسے اس نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، اپنے لئے لازم کر لے اور اس طرح ہر زمانے میں ایک رسم اور وضع عام ہو جائے اور یہ سب بذاتہ مباح ہونے پر قائم رہیں۔ اس کی نہ مذمت ہو سکتی ہے نہ مدح، سوائے بالعرض کے (یعنی اس معاملے میں اگر تعصب آ جائے اور ایک وضع و رسم کو دوسری وضع و رسم پر ترجیح دی جائے۔ یا یہ کہ بعد کا زمانہ اسے سنت سمجھنے لگ جائے اور اس طرح لوگ تحریف میں مبتلا ہو جائیں، (اس صورت میں ان امور مباح کا عامل مستحق ملامت ہوگا)

یہ سب بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

"جب یہ مقدمات واضح ہو گئے تو لازم ہے کہ اوضاع و رسوم کے تغیر اور اس اختلاف امت کے مسئلے کو جو کہ اس زمانے میں پیدا ہو گیا ہے، تم ان سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکو اور ان کو ایک مرتبے پر نہ رکھو (بلکہ بعض اختلاف میں ایک جانب حق اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے اور بعض میں دونوں جانب حق دائر رہتا ہے)

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

حضرت عمرؓ کے ذکر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاگذ ہوا، جو ایک دروازے پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا مسلمانوں نے مجھے مشقت و مصیبت میں ڈالا مجھ سے جزیہ لیا اور جب میں نابینا ہو گیا تو اب مجھے کوئی ایک پیسہ دینے کا بھی روادار نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تمہارا یہی حال رہا، تو ہم نے انصاف ہی کیا کیا۔ آپ نے کہا یہ بھی ان لوگوں میں سے ہے۔ جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انما الصدقات للفقراء والمساکین" پھر آپ نے اس کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آیت "انما الصدقات للفقراء والمساکین میں اہل کتاب بھی داخل ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔ عبیدہ السلمانی سے روایت ہے کہ عینیہ بن حصین اور اقرع بن حابس حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس ایک شورز مین ہے، نہ اس میں گھاس ہوتی ہے، نہ کوئی اور شے۔ اگر آپ اسے ہمارے لئے لکھ دیں تو ہم اسے درست کر کے اس میں کچھ بو سکیں۔ حضرت صدیقؓ نے یہ قطعہ زمین ان کے نام لکھ دیا بعد ازاں یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تاکہ آپ کو بھی اس معاملے میں شاہد بنائیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ تحریر پڑھی گئی، تو آپ نے اسے مٹا دیا، عینیہ اور اقرع کو یہ بڑا ناگوار گزرا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تمہاری تالیف قلب کرتے تھے جب کہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ اب تو اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے تمہیں چاہیئے کہ سعی و کوشش کرو اور مال مفت پر نگاہ نہ رکھو، ورنہ اللہ تمہیں برکت نہ دے گا۔

آیت "فمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ ومن قبلہ کتب موسیٰ اماماً ورحمۃ اولٰئک یؤمنون بہ" کے ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

مفسرین میں اس آیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جو امر تحقیق شدہ ہے وہ یہ ہے۔ اس آیت میں غور و فکر کرنے سے اس امر میں کچھ شک نہیں رہتا کہ بعض افراد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی اپنے قلب ذکی کی شہادت سے اصول شریعت کو پہچان لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عبادتِ اصنام، شراب خوری اور زنا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور باقتضائے وقت و طبیعتِ عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے نہ صرف منتظر تھے، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواب و رویائے صادقہ اور فراست و درایت سے آنحضرت کی بعثت کو پہچانے ہوئے تھے۔
اس اجمالی علم کو جو اُن کے قلوب میں مرتکز تھا، اللہ تعالیٰ نے بینہ و دلیل سے تعبیر فرمایا ہے
پھر جب آپؐ مبعوث ہوئے اور ان افراد نے اس دلیل و بینہ اور اپنے اس اجمالی علم کی جو
انہیں قبل ازیں بتزکیۂ قلب حاصل تھا، آپ سے شہادت پائی اور قرآن مجید نازل ہوا، تو یہ
ایمان لے آئے اور ان کا یہ اجمالی علم، علم تفصیلی سے اور ظن و قیاس، یقین و مشاہدہ میں تبدیل
ہو گیا..... صحابہ کرام میں سے ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے
متصف تھی۔ اور ان میں سر فہرست حضرت صدیقؓ تھے۔ اس مناسبت باطنی اور تزکیۂ
قلب کی وجہ سے آپ کو اسلام قبول کرنے میں تامل نہیں ہوا۔ اور آپ بلا تامل اور معجزہ طلب
کئے بغیر ایمان لے آئے۔ چنانچہ اس آیت میں حضرت صدیق ہی کی طرف اشارہ ہے۔

مستحب کی دو قسمیں ہیں۔ وہ مستحب جن کا ثبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے
ثابت ہے۔ اسے کوئی بدعت نہیں کہہ سکتا اور جو کہے وہ غلطی کرتا ہے۔ باقی رہا وہ مستحب جس کا ثبوت صرف اگلے
بزرگوں کے قول و فعل سے ہوتا ہے، اسے کوئی بدعت کہے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کی مختلف حالتیں
ہیں۔ عمل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا خیال ہے کہ اس فعل کو اگر سب کرنے لگیں گے اور
ہمیشہ کرتے رہیں گے، تو عوام اسے ضروری مثل فرض و واجب اعتقاد کرنے لگیں گے اور عوام کو اس غلط اعتقاد
سے بچانا ضروری ہے۔ یا کوئی بڑے پائے کا بزرگ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگلے بزرگوں نے یہ فعل جس مصلحت
سے کیا ہے، وہ مصلحت اس وقت نہیں ہے۔ اور جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے یا خلفائے راشدین نے اسے کیا نہیں، اس لئے نہیں کرتا۔ ایسا شخص مذمت کے لائق نہیں
ہو سکتا، بلکہ تعریف کے لائق ہے۔ مسلمانوں کے اور خصوصاً اہل علم کا ایسے فعل کو بدعت کہہ کر اس
قدر شور کرنا کہ باہم فتنہ فساد قائم ہو جائے نہایت بُرا ہے۔

(از ارشاد مولانا سید محمد علی مونگیری)

© rasailojaraid.com